

# انفرادی ملکیت اسلام میں

(۳)

نعیم صدیقی

اسلام میں املاک کے لئے سوشلزم کے تحت ملکیت کے جو نظریات تشکیل پذیر ہوتے ہیں، ان میں سے اشمائیت ہی کوئی مقداری تحدید نہیں! سوشلزم کے اصولوں کا منطقی تقاضا معلوم ہوتی ہے جس نے پیدائش دولت کا پورا نظام ہی نہیں، بلکہ صرف دولت کے تمام انفرادی اختیارات سے بھی فرد کو محروم کرنا ضروری سمجھا ہے لیکن سوشلزم کے اس منطقی تقاضے کو عملاً لے کے چلنا ممکن نہ تھا، اس لئے افراد کے داعیہ ملکیت کی تسکین کے لئے انفرادی ملکیت کے حقوق کو مختلف طریقوں سے محدود کر دینے پر اکتفا کیا گیا۔

بعد میں سوشلزم کے اصول اور انفرادی ملکیت کے جذبے کے درمیان ہونے والی کشمکش نے ان کے سمجھوتے (COMPROMISE) کے لئے مختلف ذہنی شکلیں پیدا کیں۔ انھی شکلوں میں سے نمایاں یہ تھیں کہ افراد کو نجی املاک کا حق تو دیا جائے لیکن املاک پر مقداری اور استعمالی تحدیدات لگا دی جائیں، نیز سرمایہ، زمین یا دوسرے ذرائع پیداوار بھی افراد کے پاس رہنے دیئے جائیں مگر ان کی ایک خاص زائدہ سے زائد مقدار کو متعین کر دیا جائے کہ انفرادی حق ملکیت اس سے زائد وسعت نہیں اختیار کر سکتا۔

علاوہ بریں سوشلزم کے داعی جب کسی انفرادی ملکیت پر چلنے والے نظام زندگی کو اجتماعی ملکیت کے نظام میں بدلنا چاہتے ہیں اور اس قسم کی ہمہ گیر تبدیلی کے لئے وہ ایک دم جست لگانے میں لگا دیتے ہیں تو پھر ایسا تدریجی طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ وہ پہلا قدم یہ اٹھاتے ہیں کہ مثلاً زمین کی ایک خاص مقدار سے زائدہ کی ملکیت افراد کے لئے بذریعہ قانون ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس طرح افراد کی املاک میں ریاست کی جاہلانہ مداخلت کا دروازہ بسبب ایک مرتبہ کھول لیا جاتا ہے تو پھر اس دروازے سے اجتماعی ملکیت کا اصول ایک خوبی آمریت کے ہاتھ

میں ہاتھ ڈالنا دخل ہوتا ہے اور فرد کے حقوق کا اقتدار عام شروع ہو جاتا ہے۔

تعمیر و ترمیم کا نظریہ ہوتا ہے کہ ایک خاص سہ سے (جو بھی ملے کی گئی ہو) زمین مالک کے سوا کسی اور کو  
 ملے گی یا نہیں۔ اس کا سبب اس میں معاشرتی و تمدنی مفاسد پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں، اور جب اس  
 حد سے ان کے بڑھنے کو روک دیا جاتا ہے تو معاشرہ کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ کوئی انسان  
 ایک خاص مقدار ہے جو اس کا انسان کو اختیار ہے اور اس معاشرتی لحاظ سے سوسائٹی کے لئے مفید ثابت ہے اس  
 مقدار کے ساتھ انسان آگے نہیں جاتا ہے اور یہ مقدار نہ ہو تو پھر وہ آگے نہیں ہو جاتا ہے۔ پھر معاشرہ انسان کے اندر  
 سے نہیں بھرتے کہ اس کی اصلاح کی جائے، بلکہ اس کے باہر سے۔ انسان کی اصلاح کے بڑھنے کی وجہ سے  
 آگے اس پر جیا جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نظریے کو انسان کے خیالات، اس کے جذبات اور اس  
 کے حقوق کی تربیت سے کوئی مطلب نہیں، بلکہ وہ مالک کی مشاوریوں سے آگے نہیں آتا اور اس کی ترقی و ترقی کرنے کو  
 انسانی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا ایک اسلامی معاشرہ میں زمین ایک اسلامی سٹیٹ اسلام کے اندر تربیت اور نظام  
 قانون کے ساتھ کارفرما ہو، مالک کی کوئی مقدار فی نفسہ کسی فرد کے اطلاق کے لئے موجب نسا ہو سکتی ہے؟  
 آپ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں؟ وہ بے شمار لوگوں کی محنت کو روپے، زمین اور آلات کے ذریعے سے ناجائز  
 کرانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

مگر میں اسلامی ریاست کی طرف سے معاشرتی نظام کے اصولیات چاہتا ہوں کہ کیا ہو کہ کسی کی محنت سے استفادہ  
 کرنے والے کے لئے واجب ہوگا کہ وہ اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے (اور یہ ریاست خود ضامن ہے کہ ہر  
 شہری کی ضروریات کا انتظام کیے اور اس مقصد کے لئے وہ ہر حال زمین مالک رکھنے والوں پر ہی بار ڈالے گی)  
 اس کے زیر نصاب پر کیسے ممکن ہے کہ محنت کار سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے؟

پہلے سے اپنے کاروبار میں سے اپنی صدائی رقم بھی دیتی ہے، حکومت کے دوسرے ٹیکس بھی دیتے ہیں  
 اور دوسرے چند سے اور ضمیقات بھی دے گی، یہی حوالہ دہ عام پر صرف ہوں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ محنت کے  
 جائز منافع دینے دے گا اور جو حقوق ادا کرے گا۔ یہاں جو سستا ہے کہ زمین سے زمینداروں کو پیدا ہو جائے گا

یہ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ وہ یقیناً زیادہ ذرائع جمع کر کے زیادہ کمائی کرنے لگتا ہے اور بہت سا روپیہ جمع کر لیتا ہے، لیکن اس روپے سے وہ کرے گا کیا؟

آپ کہتے ہیں کہ وہ اس کو جہاشی میں جھونک دے گا اور عوام ہمزوریات سے محروم ہو جائیں گے۔  
لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ اسلام میں نہ شراب جائز، نہ موسیقی جائز، نہ رقص جائز، نہ قمار کی نفرک جائز، نہ ریشمی لباس جائز، نہ سونے چاندی کے برتنوں کا رکھنا جائز، نہ تصاویر اور مجسموں کا وجود جائز، نہ تقاریب پر بند باجے اور دوسری فضول رسوم جائز۔۔۔۔۔ عیاشی کے بڑے بڑے شاہ در سے تو یہاں بند ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے فالٹور روپے کو کرائے پر چڑھا کر دولت کا بہاؤ روک کر اس سے اپنے حوض بھرتا رہے گا۔  
لیکن آپ کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسلامی معاشرہ میں سود اور سود کے اصول پر بینک کاری اور منڈی کے اصول پر تجارت وغیرہ کے سارے طریقے ممنوع ہیں۔

پھر آپ یہ خدشہ ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ دولت کو بے کار ڈالنے رکھے گا۔

حالانکہ جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ عائد کر کے اسلام نے جمع کرنے والے کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اسے پیدا آور ملکات میں لگائے، لہذا وہ بے کار نہیں ڈال سکتا نیز اس کے باوجود بھی اگر وہ کچھ جمع کر کے رکھے تو اس کی موت پر اس کے سرمایے اور ذرائع پیداوار کے ساتھ اس کا بے کار ڈالا ہوا روپیہ بھی متعدد مستحقین میں بٹ جائے گا۔

اندریں حالات املاک کی منقاری خرید کا نظریہ ایک مسلمان کی نگاہ میں بالکل فضول اور بے سود قرار دیا جاتا ہے۔

اب آئیے اور معاملہ رکھنے اسلامی قانون کے سامنے!

فرض کیجئے کہ ایک شخص سو ایکڑ زمین کا مالک ہے، آپ کہتے ہیں کہ ہم اس کو صرف ۵۰ ایکڑ زمین رکھنے کا حق

دینا چاہتے ہیں، بقیہ بیچاں کرنا اس سے سنبھال لینا چاہیے۔ اسلامی قانون آپ سے پوچھتا ہے کہ ۵۰ ایکڑ کی ملکیت

کو جائز اور ۱۰۰ کی ملکیت کو ناجائز قرار دینے کے لئے آپ کے پاس قانونی دلائل کیا ہیں؟ آپ کو ثابت کرنا ہے

کہ اس نے بیچاں اس ایکڑ ناجائز کر کے بیچاں یا کسی دوسرے سے زبردستی چھینے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شخص چونکہ ۱۰۰ ایکڑ کا

مالک ہے اس لئے برسر غلط ہے اور جب تک ۵۰ ایکڑ سے زیادہ رقبہ اس کے پاس رہے یہ سوسائٹی اور دوسرے افراد کی

حق ماری کا مجرم رہے گا۔ قانون پوچھتا ہے کہ وہ حق بنیے جو اس نے کسی سے سلب کیا ہے یا وہ زیادتی بیان کیجئے جو

اس کی طرف سے سوسائٹی پر ہو رہی ہے تاکہ اس کی تلافی کی جائے۔ قصور اگر کوئی ہے تو اس شخص کا ہے یا ۵۰ ایکڑ زمین کا اگر قصور ۵۰ ایکڑ زمین کا ہو تو اس کا حل سوچا جائے اور اگر قصور اس شخص کا ہو تو اس کی اصلاح کی جائے۔

اب آپ بگڑ کر کہتے ہیں کہ یہ قانون تو دراصل ملاؤں کی بنائی ہوئی پرانی فقہ ہے جو آج کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

بہت اچھا! آپ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو سامنے رکھ کر کوئی دلیل اس پر لائیے کہ روپے پیسے سونے چاندی، مویشیوں، زمین، مکانات، لباس اور دوسرے ضروریات و آلات میں سے کسی ایک کے بارے میں اشارہ بھی کہیں مقداری تحدید کے لئے کوئی قانونی نکتہ ملتا ہے۔ کوئی نظیر، کوئی مثال، کوئی قانونی فیصلہ، کوئی اجتہادی جماع!

اگر آپ کو ایسی کوئی دلیل نہ ملے تو پھر آپ کو حق کیا ہے کہ آپ تحدیدِ مالاک کے نظریے کو اسلام سے کوئی نسبت میں۔ ایک فکر جو پیدا ہی سوشلزم کے گھر ہوئی، اس کا شجرہ نسب اسلام سے ملانے کے لئے سوائے دین کی مضحکہ انگیز تاویل کرنے کے اور کوئی راستہ آپ کو نہ مل سکے گا۔

اسلام میں ساری تحدیدات کمانے کے ذریعوں، خرچ کرنے کے راستوں اور دوسروں سے معاوضہ کرنے کے طور طریقوں کی غلط فہمیوں پر ہیں، نہ کہ کمانے اور خرچ کرنے اور مالاک رکھنے کی مقداروں پر۔ اگر فسادِ مقداروں کا ہو تو پھر ساری تحدیدیں مقداروں پر ہونی چاہیے تھیں اور اصولوں اور طریقوں کی آزاد ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ اسلام کے نزدیک جہتِ غلط اصول اور غلط طریقے ہوتے ہیں، لہذا اس نے ساری تحدیدیں اسی پہلو سے عائد کی ہیں اور مقداروں کے لئے کوئی ضابطہ بندی نہیں کی، سرمائے، وسائل اور ذرائع آمدنی کا کوئی رشتہ نگار کسٹم اس نے جاری نہیں کیا۔ نمونے کی سوسائٹی جو نبی صلعم نے صحابہ کی تربیت سے خود بنائی تھی وہ املاک کی مقداری تحدید سے پاک تھی۔ کسی چیز پر بھی تحدید نہ تھی کہ اتنے سے زائد درہم و دینار رکھنا حرام، اتنے سے زیادہ بیٹھ بکریاں اور اونٹ پالنا ممنوع اور اتنے سے زائد زمین پر قبضہ ناجائز۔۔۔۔۔ جو زائد ہو وہ ریاست کی ملکیت!

قرآن میں اللہ نے رزق اور دوسری نعمتوں کے بارے میں آخری بات جو کہی ہے کہ یوتیہ من یشاء بغیر حیا۔ تو اس کے کیا معنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بخشائش کے لئے

ضابطہ نہیں رکھا کہ تمام افراد انسانی کے لئے پیمانہ ایک ہوگا، نہ کسی کو اُس سے کم ملے گا، نہ زیادہ۔

کہا جاتا ہے کہ بلاشبہ ”تحدیدِ مآک“ کا نظریہ عالم انسانی کی تازہ ایجاد ہے، لیکن یہ اُن حالات کا نتیجہ ہے جو قرآن کے نزول کے بہت بعد پیدا ہوئے ہیں۔ مگر سوچئے تو سہی کہ یہ حالات بہر حال خیر اسلامی نظام کی ایک بدترین صورت — سرمایہ داری — کے تحت ہی تو پیدا ہوئے ہیں، خود اسلامی نظام کے اندر تو اس طرح کے مفاسد کا امکان نہیں کہ باہر سے ان کے لئے سامانِ علاج خرید کے لانا پڑے۔ یہ مفاسد غیر اسلامی نظام کے ہیں اور وہ ان کے لئے غیر اسلامی علاج ایجاد کرتا رہے۔ یہیں اس سے کیا دلچسپی! ہمارا کام تو موجودہ نظام کو اسلامی نظام سے بدلتا ہے۔

اِشتر کی اسٹیٹ نے کاروباری سرمائے اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کو افراد کے لئے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ آپ اپنا روپیہ عیاشی میں صرف کر سکتے ہیں لیکن اس کو کاروبار میں لگانے یا اس کے ذریعے ذرائع پیداوار حاصل کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

کیا اسلام کاروباری سرمائے کی ملکیت پر کوئی پابندی لگاتا ہے؟

تشریحِ اسلامیہ کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ خدا کے حلال ٹھہرائے ہوئے کو حرام قرار دینا اپنے آپ کو خدا کی ہنسی کے مقام پر لانا ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی زمین میں بھیجنے ہوئے مجاز ٹھہرایا کہ وہ جائیں اور رزق حاصل کریں اور رزق کے ذرائع بھی۔ متاع کی تعریف میں یہ بھی داخل ہے وہ بھی! لیکن اس سرزمین پر کچھ ایسے فلسفی پیدا ہو جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رزق تو حاصل کر سکتے ہو لیکن ذرائع رزق پر حکمران طاقت کا قبضہ ہوگا اور جو کچھ تم کو ملے گا براہِ راست خدا کے خزانے سے نہیں بلکہ اس حکمران طاقت کے واسطے سے ملے گا۔ تم پہنے کس کے سبب کچھ اس طاقت کے حوالے کرو، پھر یہ طاقت جس طرح مناسب سمجھے گی تم میں بٹوارہ کرے گی۔

اس فلسفے کو ماننے والے جا کر ہی نہیں، لازم قرار دیتے ہیں کہ فرد کو ذرائع پیداوار کی ملکیت سے محروم کر دیا جائے۔ — ایسے یہ سوال خود اسلام کے سامنے لے جا کے رکھا جائے۔ ہم خدا کی کتاب اور اس کے رسول سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص اس کا مجاز ہے یا نہیں کہ وہ اپنے روپے سے تجارت کرے، ایک خراس لگا کر غننے کی پسائی کا کام کرے، تانگہ خریدے اور کرائے پر چلائے، ٹائپ رائٹر مشین مہیا کرے اور محاذِ ضد لے کر لوگوں کی عرضیاں

ٹائپ کرنے، زمین مول لے اور اجرت دے کر کاشت کرے، باغ لگائے اور مانیوں کو ملازم رکھ کر پھل پسائی کرے مکان تعمیر کرے اور کرائے پر دے، یا میل گاڑیاں چلائے اور لوگوں کے بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے؟ اب فرمائیے کہ خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت (قول اور عین دونوں) اور ان کا اتباع کرنے والے خلفائے راشدین کا نظام حکومت اس سوال کا جواب کیا دیتے ہیں؟ بغیر اس کے کہ بیچ میں آپ اپنی کوئی "اگر مگر" شامل کریں، آپ وہاں سے کیا جواب پاتے ہیں؟

جب بات یہاں پہنچتی ہے تو لوگ "یہ زمانہ" اور "آج کل کے حالات" کا ذکر پھیر کر کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ایسے موقع پر پیش کی جاتی ہے وہ "الارض لله" کے قرآنی الفاظ سے زبردستی نکالی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن ہی نے تو زمین کو بندوں کی پاک کے بجائے اللہ کی ملک قرار دیا ہے، اور اسی لئے قرار دیا ہے کہ یہ مرکزی ذریعہ پیدائش دولت ہے۔

نا واقع آدمی اس استدلال کو شکر چوکتا ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی قرآن پڑھنے والا یہ مطالبہ کر بیٹھے کہ اچھا ذرا قرآن کھول کر دیکھیں تو سہی کہ یہ الارض لله کس کس کا ایک جز ہے تو اس دلیل بازی کی ساری عورت ڈسے جاتی ہے۔ یہ کلمہ اپنے موقع پر قطعاً دوسرے مطالب کے ساتھ وارد ہے۔ قرآن کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے سامنے جب ان کی قوم فرعون کے مظالم کا ذکر کر کے مایوسی اور بددلی کا اظہار کرتی ہے تو وہ اس کو جلد و جہر جاری رکھنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

استعينوا بالله واصبروا! ان الارض

لله يوسرنا من يشاء من عباده ط

والعاقبة للمتقين ه

معاہدے میں انجام کار کا میاابی اہل تقویٰ کے لئے ہے۔

ایسے صاف صاف مفہوم کی رو سے یہ آیت خالص "سیاسی" ہے اور ایک فی صدی بھی "معاشی" نوعیت نہیں رکھتی۔ اگر یہ آیت معاشی مسائل کے تحت آتی تو قدرتی طور پر الارض کے معنی "کھیتی" یا زیر کاشت زمین کے ہونے۔ خود کیجئے اس مقام پر "الارض لله" سے متجددین کرام جو ہر استدلال کرتے ہیں اگر اللہ میاں کو اسی کے مطابق بات کہنی تھی کہ

کسی ملکیت پر مالکان زمین کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جاسکتا بلکہ جو کاشت کرے صرف وہ کاشت کے زائد تک اس کا مالک ہے تو پھر گو یا ان حضرات کے نزدیک وہ ایسی ہستی ہے جسے (نعوذ باللہ) ایک یہودی سی بات کہنا بھی نہیں آتا اور اس کے لئے اسے مناسب الفاظ نہیں ملتے۔

پھر یہ حضرات مضر بن آیت کو اپنی جگہ چھوڑ کر دوڑتے ہیں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب اشعائے ہیں کہ دیکھو اس میں "الارض للشرک" کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ زمین ایک کا رواں سرانے کی حیثیت رکھتی ہے کہ جو کسے اس میں بسرالے اور ریخت ہو جائے، یہاں تک بننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اسی کتاب میں "الارض للشرک" کی سر تعبیر کے پیش کرنے والے امام نے جہنم واضح طور پر ملکیت کے انسانی حق کے بارے میں قلم اٹھایا ہے اور جہاں دوسرے کی مملکت خریدنے کا اصول واضح کیا ہے اور جہاں زمین کو دوسروں سے کاشت کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے: "و بان ان کی نکاہ نہیں جاتی اور نہ یہی سمجھیں آتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں وجہ تلبیق کیا ہے۔"

اگر "الارض للشرک" کا مفہوم یہی تھا کہ ذرائع پیداوار ملت کے دستِ تصرف میں رہیں گے اور افراد کو سارا رزق خدا کے خزانوں سے برا و راست نہیں، بلکہ ریاست کے "قومی ملکیت" کے نظام کی معرفت ملے گا تو پھر قرآن کے مصنف (خدا تعالیٰ) اور اس کے شارح (نبی صلعم) کے بارے میں آپ کی رائے اس کے سوا کیا قرار پائے گی کہ دفعہ باللہ نہ حکم دینے والے کو اپنی بات واضح کرنا آیا اور نہ شرح کرنے والے کی عقل میں اصل بات سمجھی، اور نہ ان دونوں کو مان کر نظام زندگی قائم کرنے والوں کو ایک حکم کی تعمیل کا سلیقہ آیا۔

سوال یہ ہے کہ انفرادی ملک کے ایک محدود طریق کو بدلنے کے لئے ویسا ہی انقلابی اعلان اور انقلابی عملی اقدام ضروری قرار پاتا ہے جیسا شراب اور سود اور بیٹوں کے قتل اور کعبہ کے نئے طوافوں اور بت پرستی کے خاتمے کے لئے کیا گیا تھا، پھر کیوں اس طرح کا تبدیلی پیدا کرنے والا اعلان و اقدام نہ کیا گیا؟ پھر اس میں ریکارڈ کیا تھی کہ اس وقت کی ساری زمین اور سرمایہ اور ذرائع پیداوار معاف صاف طریق سے انفرادی سے لے کر اجتماعی نظم کے حوالے کیے "جوٹل سسٹم" پر زندگی استوار کر دی جاتی۔ پورے عرب کو ایک یا متعدد کمیون (COMMUNE) کی صورت میں بدلنا وقت کے حالات کے لحاظ سے نہ مشکل تھا نہ غیر مفید۔ یہ کام کرنا اگر اسلام کو مطلوب ہوتا تو اس کا بہترین





تو کیوں نہ "الارض للہ" کے ٹکڑے کا مطلب بھی یہی لیا جائے کہ چونکہ زمین اللہ کی ملک ہے لہذا وہ ہی "حکم" کی طرح افراد کی ملک میں دینا ناجائز ہے اور اس پر ملت کی اجتماعی ملکیت قائم ہونی لازم ہے۔

حالانکہ یہ کہنے والوں کو دونوں کا فرق نظر نہیں آتا کہ سرمایہ، زمین، آلات و وسائل وغیرہ کمائی کے ذرائع ہیں لیکن حکومت کسی کاروبار یا کرانے کے ذریعے کا نام نہیں بلکہ ایک مشترکہ نظم و نسق کا نام ہے۔ رزق اور کمائی کے ذرائع ہر فرد کے لئے شریعت نے ملک و قبضے کا حق تسلیم کیا ہے لیکن حکومت کے لئے نہیں۔ اپنے اپنے ذرائع و وسائل سے افراد الگ الگ کام لے سکتے ہیں، لیکن ہر فرد اپنی اپنی جگہ حکومت نہیں چلا سکتا، ذرائع رزق ہر فرد کو الگ الگ درکار ہیں اور حسب ملاحیت و ضرورت درکار ہیں، لیکن حکومت بہت سے افراد کو مشترکہ طور پر ایک ہی قائم کرنی ہوتی ہے اور وہ ہوتی ہی ہے زندگی کے اجتماعی تقاضوں کے لئے۔

پھر معاملہ یوں نہیں ہے کہ آپ "ان الحکم الا للہ" کے ایک کلمے کو سامنے رکھ کر اس میں سے حکومت کے بارے میں سارے ضابطے اور نظریے نکالتے چلے جائیں۔ اسی طرح "الارض للہ" کے کلمے کو سامنے رکھ کر اس پر ایک معاشی فلسفے کا محل کھڑا کرنا درست نہیں ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ خدا کی حکومت کے لئے جس طرح آپ کو خدا ہی کی طرف سے کچھ اصول، دستوربات، ضوابط اور عملی نظام نظر ملتے ہیں، اسی طرح آپ زمین اور دوسرے املاک کے بارے میں خدا سے یہ معلوم کریں کہ وہ کیا اصول، قانون اور ضوابط دیتا ہے، اور ان کی رو سے وسائل کی انفرادی ملکیت حرام ہے یا حلال! اگر حلال ہے تو اسے حرام کرنے کے لئے اتھارٹی کونسی ہے؟ خدا تعالیٰ نے اگر اپنے آپ کو زمین کا مالک قرار دینے کے بعد حکومت کے واسطے کے بغیر افراد کو حق ملکیت دیا ہو تو آپ کون ہونے ہیں جو بیچ میں آکودیں اور کہیں کہ یہ "حق" تو اسلامی نہیں ہے اور اسے سلب کر لینا چاہیے۔ خدا کا دعوائے ملکیت تو ہے ہی اس لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں اپنی ملک پر جسے نصرت دینا چاہوں اس میں کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔ آپ گویا اسی کی نفی کرتے ہیں۔

یہ وہ ایسے بیسے بیسے کے طریقے ہیں جن سے سوشلزم کے جدید نظریے کو اسلام کا جامہ پہنا کر درحقیقت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جس حقیقت کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت دینا پر صاف صاف واضح نہ کر سکی تھی، ان سے بے نیاز ہو کر سوچنے والا محدودا کر کے زیادہ اچھی طرح واضح کر گیا، ملکیت اجتماعی کے جس نظام کو نبی صلعم

کی حکومت ٹھیک ٹھیک طریق سے نافذ نہ کر سکی اسے قائم کرنے کا حق ادا کیا تو یقین اور ایشا تین نے! جو کام دین نہ کر سکا وہ کفر نے کر دکھایا اور اب اس دین کی تکمیل بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس کفر سے مانگ مانگ کے کچھ اصول لائے جائیں اور اس میں فٹ کئے جائیں۔

اسلام اس سے بری ہے کہ اس نے ذرائع و وسائل اور کاروباری سرمائے کو کسی صورت میں بھی افراد کے لئے شجر ممنوعہ قرار دیا ہو اس کی پالیسی تو ایسا یہ رہی ہے کہ اس نے کاروبار سے اپنی حکومت کو الگ رکھا ہے اور افراد کی آزادی کسب اور آزادی انتفاع کو پوری طرح برقرار رکھا ہے۔

اس دین کے لانے والے نے تو دوسرے کے سرمائے پر خود محنت کی ہے اور شراکت منافع پر کاروبار کیا ہے۔ حضرت خدیجہ سہمیہ وافر کی مالک تھیں اور آپ ان کے سرمائے سے کاروبار کر کے پوری کمائی ان کے سامنے لارکتے تھے، لیکن آپ نے اپنی زوجہ محترمہ تک کو خدا کی طرف سے یہ حکم نہ سنایا کہ سرمائے کی ملکیت حرام کر دی گئی ہے لیکن کچھ لوگوں پر نئی وحی اتری ہے جس کے تحت وہ نبی صلعم کی تعلیم کی اصلاح فرمانے لگے ہیں۔

کاروباری سرمائے (کاروباری زر، آلات، ذرائع و وسائل) پر شریعت کی پابندیاں صرف حسب ذیل ہیں:-

(۱) جائز طریق سے اس کی ملکیت حاصل کی گئی ہو۔

(۲) اسے صرف کمائی کے جائز طریقوں میں استعمال کیا جائے۔

(۳) اس پر اگر دوسروں کی محنت لی جائے تو فراخ دلی سے ان کے واجب الادا حقوق ادا کئے جائیں۔

(۴) اس میں سے (اور اس کی آمدنی میں سے) صدقات واجبہ اور نظام اسلامی کے مالی مطالبات دیا نہ لڑی سوا داکئے جائیں۔

شریعت اسلامی کی طرف سے ان پابندیوں سے زیادہ کوئی پابندیاں کاروباری سرمائے اور ذرائع و وسائل پر ثابت نہیں ہیں۔ جو لوگ کچھ الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے کتاب سنت کی ساری تفسیحات کو ایک طرف سے الگ رکھ کر ان الفاظ سے شاعرانہ اور فلسفیانہ قسم کے فقرے برآمد کرتے ہیں، پھر اپنے ان فقروں سے کچھ اور نتائج نکالتے ہیں،

۱۔ بطور مثال اس طرح کا ایک فقرہ یہاں درج کیا جاتا ہے: "تو نبی خداوندی کے مطابق قائم کردہ نظام میں افراد کی ملکیت کا سوا ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں افراد کا فریضہ نوع انسانی کی ربوبیت (نشوونما) ہے۔" — ملاحظہ فرمایا آپ نے (بقیہ پر صفحہ آئندہ)

پھر ان نتائج سے ایک معاشی نظام گھڑتے ہیں، پھر اس معاشی نظام کے مطابق احکام نکالنے ہیں، وہ اپنی خیالی آرائیوں کے خود ذمے دار ہیں۔

اس بحث کو جاری رکھنے کے لئے جب اور کوئی راستہ نہیں ملتا تو آخر کار لوگ آیت کفر کو لے کر آتے ہیں کہ دیکھیے اس کی رو سے سونے چاندی کی کوئی مقدار جمع کر کے رکھنا ممنوع ہے۔

آیت کفر سورہ نوبہ میں ایک ایسے محل کلام میں آئی ہے۔ میں حق و باطل کی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ اجبار اور بہان یعنی (بنی اسرائیل کے) صوفیاء و علماء جنہیں دین حق کا ہمدن خادم ہونا چاہیے تھا اب اس سستی میں آگرے ہیں کہ اسی دین کے نام سے حرام کمائیاں کرتے ہیں اور پھر ان کمائیوں سے سونے چاندی کے جو انبار جمع کرتے ہیں ان کو بھی خود دین برحق کو غالب کرنے والی تحریک کا راستہ رد کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں پر بات کو بالکل چسپاں کرتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی قوت کو جو لوگ اس طرح سمیٹے بیٹھے ہیں، ان کو جان لینا چاہیے کہ جب تک وہ اسے براہ حق میں استعمال نہ کریں، وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو عذاب الیم کی "بشارت" دی جائے۔

اس سے بلاشبہ یہ بات بھی نتیجہ اخذ ہوتی ہے کہ مسلم سوسائٹی میں جو لوگ اپنے اموال کو سینٹ سینٹ کران پر سانپ بنے بیٹھے رہیں، دراصل ایک ان کے روبرو خدا کا دین موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہو اور یہ کشمکش کہہ ہی ہو کہ انبیاء اپنے اموال کو زائیں اور کوڑی کوڑی "فی سبیل اللہ" صرف کر دیں تو وہ آخرت میں سخت گرفت کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ اس تنبیہ کا یہ اثر صحابہ کی سوسائٹی پر رونما ہوا تھا کہ مالدار لوگ متفکر ہو کر انصاف صلعم سے دریافت کرنے آئے کہ کیا سونے چاندی کی کوئی مقدار رکھنا ان کے لئے جائز نہیں رہا اور کفر ہر حال میں حرام ہے۔ اس کے جواب میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) "نور انسانی کی ربوبیت" کی اصطلاح کو، اب اس اصطلاح سے ذہن میں جو شاعر نے فنا بنتی ہے اس کے پیرے سے عجیب و غریب تصورات و تخیلات جنم لیتے ہیں، یہاں تک کہ آدمی خدا اور اس کی کتاب کو بھولی کر ہم تن "نور انسانی کی ربوبیت" کے خوشنما فلسفے کی کوچہ گردیوں میں کھوجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلام ہی ہوگا۔ کبھی ذرا سوچئے تو سہی کہ "افراد کا فریضہ نور انسانی کی ربوبیت" کو آپ لے کہاں سے آئے؟

ان کو بتایا گیا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد جائز کمائی سے حاصل کردہ سیم وزرا کتنا زکی اس ممنوع صورت سے خارج ہو جاتا ہے جس کے لئے اس آیت میں وعید آئی ہے۔ ورنہ اگر حدیث کی اس وضاحت کو نہ مانا جائے تو حسب ذیل نتائج برآمد کئے جاسکتے ہیں :-

ایک یہ کہ سونے چاندی کی کوئی چھوٹی یا بڑی مقدار (تکے، زیور یا ڈلی کی شکل میں) کسی کم یا زیادہ مدت کے لئے پاس رکھنا موجب وعید ہے۔

دوم یہ کہ سونے چاندی کی جو مقدار جس صورت میں بھی ہاتھ آئی ہو اسے پورے کا پورا صرف اللہ کے راستے میں خرچ ہونا چاہیے اور اپنی ضروریات پر اس میں سے کچھ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مستقبل کی ضروریات کے لئے کوئی شخص کسی مقدار میں سیم وزر کو پس انداز کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ سونے چاندی کے اوپر جو زکوٰۃ لگائی گئی ہے وہ بالکل فضول کارروائی تھی۔

چونکہ ان لغو نتائج سے کوئی شخص بھی ہوش و خرد کی بحالی کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا، اس لئے صحابہ تابعین

اور تبع تابعین اور علمائے متاخرین نے بالاتفاق بنی مسلم کی اس تفسیر پر اجماع لانے کا اقرار کیا ہے جو آنحضرت نے اس آیت کی فرمائی اور جو عملاً نظام اسلامی میں رائج ہوئی۔ اس آیت کے تقاضے صرف یہ ہیں :-

ادارے، اجارہ رہبان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دین کے نام پر کچھ تقریبات پر، کچھ رسموں کی انجام دہی کے لئے،

فیصلوں اور زرنوں کے تعین سے فتویٰ فرودیشور کے کاروبار سے اور اہل اقتدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

دین کے مقاصد میں خرچ کر کے ناجائز کمائیاں کریں۔

دوم: اجارہ رہبان کے لئے خصوصاً اور دین کا نام لینے والوں کے لئے عموماً یہ طریقہ عمل انتہائی مکروہ ہے کہ

وہ اپنے قوی خصوصاً مالی قوت سے خود دین کے جذبے کی کوششوں کو رد کرنے پر صرف کریں۔

سوم: اموال کثر میں سے باقاعدگی سے صدقات واجبہ ادا کئے جائیں، نیز خدا کا دین اپنے بقا و استحکام کے لئے

اہل مال سے جو مطالبہ رکھتا ہو اور اسلامی ریاست کی سرگرمیاں ان پر جو مالی بار ڈالیں ان کو وہ پورا کریں۔

بس ان تقاضوں سے آگے بڑھ کر اگر کوئی متحدہ ایسی لگائی جائے جو سونے چاندی کی بڑک کا حق ساقط کرتی

یا اس کی کسی خاص مقدار سے زائد کو حرام ٹھیراتی ہو، شریعت اسلامی کے اندر کی چیز نہ ہوگی، باہر کی ہوگی۔

قومی ملکیت کے اصول کو نظام اسلامی میں فٹ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں، اور اس حرکت سے مفید نتائج نکلیں گے یا مضر، اس سوال کا مفصل جواب میں اپنے پمفلٹ ”قومی ملکیت“ میں دے چکا ہوں۔

کیا قومی ملکیت کا اصول نظام اسلامی میں اختیار کیا جاسکتا ہے؟

یہاں اصل میں سوال کی پیش نظر نوعیت یہ ہے کہ افراد کو جو حقوق ملکیت (متعینہ پابندیوں اور حدود کے ساتھ) خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تصریحات کے مطابق عطا کئے ہیں، کیا بروئے دستور و آئین ان کو مسلمانوں کی ایک ریاست ان سے سلب کر سکتی ہے؟

اسلامی اسٹیٹ میں پورا نظام حکومت درحقیقت اصل حاکم (خدا) کے مقابلے میں والسرائے (نائب) کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس طرف کی ریاست کے دستور میں حکومت کے مقابلے میں افراد کو جو حقوق خود اصل حکمران کی طرف سے دئے گئے ہیں ان کو اگر بیچ میں کام کرنے والا نائب کا عدم قرار دینا چاہے تو بجائے اس کے کہ اس نائب کو اپنا منانا فیصلہ نافذ کرنے کا مجاز مانا جائے اسے تو اصل حکمران کا باغی قرار دیا جائے گا۔ وہ اگر ایسا کوئی فیصلہ کرے تو اس کے خلاف اسلامی عدلیہ (جو انتظامیہ کے مقابلے میں آزاد حیثیت رکھتا ہے اور اصل حکمران کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے براہ راست جوابدہ ہے) سے فیصلہ استرداد اور حکم امتناعی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ملک کا حق اسلامی ریاست کے تسلیم کردہ بنیادی حقوق شہریت میں شامل ہے اور وہ بروئے دستور پورا پورا تحفظ اور پوری پوری گارنٹی چاہتا ہے۔ کیا اس بنیادی حق شہریت کے خلاف ہے کوئی دلیل؟ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے فرمودات میں کوئی دلیل نہیں!

لیکن کہا جاتا ہے کہ ایک نظیر خلافت راشدہ کے دور کی ایسی موجود ہے جو باقی ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت اسلامی ریاست کو مجاز قرار دیتی ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کے عمومی مفاد کے لئے بعض کے خصوصی مفاد کو، اور اسی طرح آئندہ نسلوں کے مفاد کے لئے موجودہ نسل کے مفاد کو نظر انداز کر کے اپنی پالیسی بنا لے۔

واقعہ یوں ہے کہ عراق کی زمین جب فتح ہوئی تو سوال پیدا ہوا کہ آیا اسے مالِ غنیمت کی حیثیت دے کر راجہ حصہ ریاست کے عمومی کاموں کے لئے ریزرو رکھنے کے بعد سپاہ میں تقسیم کر دیا جائے یا اسے عطا لے



(۲) وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ، وَلِلرَّسُولِ، وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

وَابْنِ السَّبِيلِ ————— یعنی غنائم کا پانچواں حصہ لازماً حسب ذیل مقاصد کے لئے وقف رہنا چاہئے :-

(۲) خدا کے دین کی اقامت کے لئے۔

(ب) رسول اللہ (بحیثیت صدر حکومت کے) کی ضروریات اور آپ کی طرف سے اقربا کے حقوق کی ادائیگی کیلئے

(ج) یتیموں اور اہل حاجت کی کفالت کے لئے۔

(د) مسافروں کو امداد اور سہولت دینے کے لئے۔

اب لیجئے قانون فے کو، جس سے ذیل کی دفعات اخذ ہوتی ہیں :-

(۱) فے کی تعریف ————— ”ما اذاعہ اللہ علیٰ رسولہ“ جو کچھ خدا اپنے رسول (بحیثیت صدر حکومت

اسلامی) کو (بغضِ خاص) ہاتھ لگا دے یعنی خاص اس علیہ الہی کے لئے جدوجہد نہ کی گئی ہو، نہ کرائی گئی ہو، بلکہ بطور

شے زائد کے حاصل ہو جائے۔

(۲) فے کا مصرف ————— (۲) اللہ - یعنی اللہ کے دین کے فروغ میں (ب) وللرسول ولذی

القربى - رسول اللہ (بحیثیت صدر حکومت) کی ضروریات اور آپ کے اقربا کے حقوق ادا کرنے میں (ج) والیتیمی

والمساکین، یتیموں اور حاجتمندوں کی کفالت میں، (د) وابن السبیل، مسافروں کی اعانت و خدمت میں (س) للفقراء

المہاجرین الذین اخرجوا من ديارهم واموالهم یتبعون فضلا من اللہ، خصوصاً ان وطن

چھوڑنے والے بے سر و سامان لوگوں کی بحالی میں جو گھروں اور املاک سے نکال دیئے گئے ہیں اور اب وہ اللہ کے فضل

(رزق) کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، (س) والذین تبوء الدار والایمان، من قبلہم یتبعون من ہاجر

الیہم ولا یجدون فی صدورہم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ

————— ان لوگوں کی مالی اعانت میں، جو اس گھر زد یتیم ہیں مقیم ہیں اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لائے

ہوئے ہیں، جو ہر اس شخص پر خدا ہیں جو ہجرت کر کے ان تک آتا ہے، اور وہ اپنے مال سے (ان کی خاطر) بے نیاز

ہیں، اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر فاقہ ہی کیوں نہ مستط ہو رہا ہو! (ص) والذین

جاءوا من بعدہم، اور ان لوگوں کے مفاد میں، جو ان سب کے بعد آئندہ نسلوں میں آئے والے ہیں۔

(۳) حکومت کا تصرف خاص ————— وما اتکم الرسول فخذوه وما نهاکم فانتهوا —————

اور رسول (بحیثیت صدر حکومت) مال فے میں سے اگر کوئی حصہ دے تو وہ جتنا دیدے اسے قبول کر لو، اور جس حصے سے تمہیں روک کر اسے بیت المال میں مفاد عامہ کے لئے داخل کرنا چاہے، اُس سے روک جاؤ۔

(۴) اس ضابطہ فے کی غایت ————— کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم —————

یہ اہمال فے کہیں دو ائمہوں کے اوپر اوپر کے طبقے ہی میں گردش کرتے نہ رہ جائیں۔

اب سنیئے کہ معاملہ تھا کیا؟

دراصل شورائے فاروقی میں مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ عراق کی مفتوحہ زمین کا فیصلہ ان دونوں میں سے کس

قانون کے تحت ہونا چاہیے۔ غنیمت کے قانون کے تحت یا فے کے قانون کے تحت؟ ایسی بحثوں کے بعد قانون

فے کو زمین عراق پر منطبق کیا گیا اور اسے غنیمت کی تعریف سے خارج قرار دیا گیا۔

آپ ہی بتائیے کہ یہاں انفرادی ملکیت اور قومی ملکیت کی بحث کا کیا مقام؟ ————— اور پھر سوچئے کہ

جن لوگوں کو یہی معلوم نہ ہو کہ شورائے فاروقی میں بحث تھی کس سوال پر، وہ جب اس شوریٰ کے فیصلے سے

اجتہاد کی احکام نکالنے پر اتر آئیں تو کیا کیا عجائبات ظہور میں نہ آئیں گے۔

اس سارے معاملے کو اور مختصر کر کے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین پر جو بھی فیصلہ

دیا ہوا وہ جس طرح بھی دیا ہوا، آخر اس سے یہ کیسے قیاس کر لیا جائے کہ مسلم افراد کی ملک میں پہلے سے جو

اموال ہوں ان کو بھی قومی ملکیت میں منتقل کیا جا سکتا ہے؟ اس کی کوئی نظیر اگر ہو تو اسے سامنے لائیے۔ پھر

گفتگو سید سے راستے پر چل سکتی ہے۔

یہاں آکر جب نصوص و نظائر کے ترکش خالی ہو جاتے ہیں تو پھر ایک اور دروازہ بنایا جاتا ہے کہ اس

راستے سے قومی ملکیت کا اصول اسلام میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ وہ دروازہ ہے اسلامی شوریٰ کے اجماع کا۔

لیکن جب ہم گزارش کرتے ہیں کہ شوریٰ تو ریاست کا ایک عضو (ORGAN) ہے، جب پوری حکومت خدا کے

دیئے ہوئے حق کو سلب کرنے کی مجاز نہیں ہے تو مجلس شوریٰ کا اجماع دستوراً اسلامی کی رو سے جائز (VALID)

کیسے ہوگا۔ اسے تو عدالت کا فیصلہ زدگی کے پُرزے میں بدل سکتا ہے۔ اب ایک صورت اور سامنے لائی جاتی:



کہ اگر استصواب عام کر کے ہر شہری کا اتفاق رائے حاصل کر لیا جائے تو ؟

یہ یقیناً دستوراً جائز ہے کہ اسلامی ریاست کے کچھ یا بیشتر شہری اپنی کسی ملک سے خود دست بردار ہو کر اسے حوالہ حکومت کر دیں، لیکن دوسری طرف اگر کچھ شہری اس پر تیار نہ ہوں تو ان کو مجبور کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر ایک شہری بھی چاہے کہ اپنی ملک پر قبضہ قائم رکھے تو وہ رکھ سکتا ہے اور عدالت اس کی حفاظت (PROTECTION) کی ضامن ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اکثریت کا فیصلہ اقلیت کو ماننا لازم ہے، جیسا کہ ”اجماع“ کے متعلق دستور اسلامی چاہتا ہے کہ اسے واجب سمجھا جائے لیکن ”اجماع“ کسی متعین و منصوص حق کو (خصوصاً حقوق شہریت کو) کا عدم قرار دینے کا مجاز نہیں ہے، ورنہ اگر نصوص کو منسوخ کرنے کے لئے اجماع کو مؤثر مان لیا جائے تو پھر شریعت کا کوئی اصولی اور تفصیلی حکم اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔

املاک رکھنے کا حق جو فرد کو حاصل ہے، وہ خدا کا اپنا قائم کردہ ہے اور اس کے بارے میں رسول اللہ نے واضح طور پر وصیت فرمائی ہے کہ اعدائکم حواہر علیکم۔ تمہارے اموال و املاک حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سوا آدمیوں میں سے ۹۰ کے دوٹوں سے ملے کر وہ فیصلہ بھی بقیہ ۱۰ کے حق ملک کو ساقط کرنے کے لئے مؤثر نہیں ہے، کیونکہ یہ فیصلہ اکثریت خود دستور سے ٹکراتا ہے بالفرض ایک وقت میں اگر اپنے املاک کو سارے شہری حکومت کے حوالے کرنے پر رضامند ہو بھی جائیں تو بھی دستور نے املاک رکھنے کا جو حق ان کو دیا ہے اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ وہ از سر نو املاک بہم پہنچا سکتے ہیں۔

پس یہ معاملہ رضا کارانہ ایشاراد و اخلاقی فیاضی سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ دستور و قانون کے جبری ذرائع سے ! ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ ملک رکھنے کا حق ہی تو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، آخر افراد کے لئے اسے واجب تو نہیں ٹھہرایا کہ لازماً املاک رکھیں جو چیز ضروری نہیں اسے جاری رکھنے کی ذمہ دار ریاست کیوں ہوگی ؟

۱۰ قصاص کا حق اللہ تعالیٰ نے شہریوں کو عطا کیا ہے کہ وہ چاہیں تو ثبوت تعدی پر برابر سزا کا بدلہ لیں اور چاہیں تو دیت پر معاف کر لیں چاہیں تو معاف کر دیں اس حق کو بھی افراد کے لئے مباح غیر واجب قرار دیکر کیا استصواب عام کے ذریعے اکثریت کے سے سلب کیا جاسکتا ہے ؟ اس اصول کو ذرا تمام حقوق پر منطبق کر کے دیکھئے !

ہم سمجھتے ہیں کہ بنیادی حقوق میں سے "ہر حق" کو قائم رکھنا ضروری اور واجب ہے، ان میں خلل ڈالنے سے توازن ختم ہوتا ہے جو ریاست اور عوام یا سوسائٹی اور افراد کے درمیان قائم کیا گیا ہے اور جو اسلامی نظام حیات کے لئے ریٹھ کی ٹہری کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ اگر دوسری گھر سوچا جائے تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حسب منشا گھر میں کھانا پکوانا، لباس کے لئے کوئی جائز تراش منتخب کرنا، اپنے لئے پیشہ پسند کرنا، علم و ادب میں اضافہ کرنا، نئی نئی ایجادات کرنا، کسی سفر پر نکلنا، وغیرہ سارے امور مباحات ہی تو ہیں، واجب تو نہیں کئے گئے، اگر ریاست ان چیزوں پر پابندی عائد کرنا چاہے یا ان کو روک دے تو اس کا یہ اقدام جائز ہوگا، اگر معاملہ اسی طرح آگے بڑھتا جائے تو پھر کہنا یہ چاہیے کہ آزادی — سوائے حق بات کہنے اور عبادات کی بجا آوری کے — اور ہر معاملے میں محض مباح حیثیت رکھتی ہے، لہذا حکومت چاہے تو اسے سلب کرے کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ نظریہ کہ مباحات غیر واجب کو حکومت حرام قرار دے سکنے کی جواز ہے، سارے حقوق شہریت کا خاتمہ کر سکتا ہے اور پورے نظام دین میں ہر طرف تاویل و تحریف کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بالفرض کچھ مباحات اگر ایسے ہوں بھی کہ ان میں ریاست کی مداخلت کی گنجائش ہو تو ان کے بارے میں بھی شریعت کا مزاج غیر معمولی ضابطہ بندی (CODIFICATION) کے خلاف اور انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ حد تک برقرار رکھنے کی طرف ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو سوال بازی سے روکنے کی علت یہ بیان کی گئی تھی کہ اس طرح تم اپنے لئے بہت سی جگہ بندیاں فراہم کر لو گے اور پھر اپنا بوجھ اتنا بڑھا لو گے کہ ایک دن سارے کا سارا اتار کے پھینک دو گے۔ پس ان مباحات میں بھی جن کا تعلق "بنیادی حقوق" سے نہیں ہے حکومت کو شدید داعیاً کے تحت کم سے کم ناگزیر حد تک ہی تقرر کرنا چاہیے اور جب بھی پابندیوں کو ہٹانے کے لئے حالات سازگار ہو جائیں تو انہیں ہٹا دینا چاہئے۔

اسلام دراصل نظام اجتماعی کی عام فضا ایسی رکھنا چاہتا ہے کہ اس میں کلمہ حق بلند کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے کے لئے پوری ہولیتیں افراد، جماعتوں اور اداروں کو حاصل رہیں۔ اس

فضا کی بحالی کے لئے چند حقوقِ شہریت وہ عوام کے لئے مقرر کرتا ہے اور خصوصیت سے آزادیِ رائے اور آزادیِ ملک کے حقوق کو باہم لازم ملزوم کی حیثیت دیتا ہے۔ قومی ملکیت کے تحت یہ فضا ختم ہو جاتی ہے۔

آپ بتائیے کہ اگر اظہارِ خیال کے ذرائع (پریس، اخبارات، ٹیکتے، دارالاشاعت، ہال، میدان، اور پارک) سب کے سب حکومت کے تصرف میں ہوں، نیز جملہ ذرائع پیداوار اور جملہ پیشے اس کے تحت ہوں، قیمتوں اور راشننگ کا نظم اس کے قبضے میں ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ حکومت کی روش کے خلاف (جسے بہر حال حکمران طاقت عین حق اور عین شریعت قرار دے گی) کوئی آواز اٹھائی جاسکے۔ جبکہ حکمران طاقت اس کو روکنا چاہے! قطعاً نہیں! پس قومی ملکیت کا نظام اپنی فطرت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہے۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت (خود تمہارے عندیے کے مطابق بھی) صالحین کے ہاتھوں میں ہوگی، پھر اس بات کا خدشہ کیوں ہو کہ صالحین ظلم کریں گے اور حق کی آواز کو دبا دیں گے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اول تو ایک دستور بننے کے بعد اسلامی ریاست کو ایک عبوری دور طے کرنا ہوگا جس میں چند صالحین، چند ادھ کچرے اور بہت سے عامیاناہ قسم کے کارکن مل جل کر کام کریں گے۔ اس عبوری دور میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قومی ملکیت کا نظریہ اختیار کرنے والی ریاست کیسے ارتقا کرے گی۔ پھر صالحین بلا کسی مزاحمت و مسابقت کے تو نہیں چلیں گے۔ ان کی مزاحمت کرنے کے لئے غیر اسلامی رجحانات بھی کام کریں گے اور قومی ملکیت کے نظام کو اشتراکی لحدانہ خطوط کی طرف دھکیلنے والے عوامل بھی موجود ہوں گے۔ اب اگر اس کشمکش میں "قومی ملکیت" کے نظام ہمہ گیر کی باگ ڈور کسی ذریعے سے غلط ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تو آپ اس کا راستہ روکیں گے کن ذرائع سے؟

غیر فرض کیجئے کہ ٹھیکہ قسم کے صالحین قومی ملکیت کے نظام پر معتقد ہوتے ہیں اور رہتے ہیں۔ لیکن اس بات کی کیا ضمانت کہ ایک صالح طاقت کے بعد نازماہر طاقت جو جانشینی کرے گی صالح ہی ہوگی؟ اگر کبھی دس سال، بیس سال، پچاس سال میں آپ کے ملک کے صالح "ڈکٹیٹر" (قومی ملکیت کے نظام میں ڈکٹیٹر شپ تو پیدا ہوتی ہے) کی جگہ غیر صالح ڈکٹیٹر آتا ہے یا اس کی کونسل میں اکثریت دوسرے دل و دماغ کے لوگوں کی داخل ہوتی ہے اور نظام کو بگاڑا جاتا ہے۔ اب آپ کریں گے کیا؟

ایسے موقعوں پر ایک طریقہ ہوتا ہے رائے عام کے احتجاج کا اور اس کا راستہ روک دیا جائے تو دوسرا راستہ ہوتا ہے بغاوت کا! اب سوچ کر بتائیے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے لئے کبھی قومی ملکیت کے نظام میں آپ کو ذرائع و وسائل مل سکتے ہیں۔ اگر حکمران خود ہی بطور فیاضی اپنے خلاف استعمال کرنے کے لئے کوئی قوت عطا نہ کرے؟

اب پلٹ کے جواب دیا جاتا ہے کہ تم نظام اسلامی کا جو خاکہ پیش کرتے ہو اس میں بھی تو خیر و فلاح حکمرانوں کے صالح ہونے سے مشروط ہے۔ یہی بات ہمارے قومی ملکیت کے نظام میں بھی ہوگی۔ یہاں بھی شرط وہی ہے۔ لیکن ہم جو نظام دیتے ہیں اس میں حکمران بگڑ جائے تو منظم احتجاج، بلکہ آئینی انقلاب کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اور اتنے ہی سے کام نہ چلے تو پھر ”خروج“ تک کی گنجائش رہتی ہے۔

آخر کار اس بحث کے خاتمے پر ایک بات اور سامنے لائی جاتی ہے کہ ہم سارے ذرائع و وسائل کو قومی ملکیت میں دیں گے ہی نہیں، بعض دیں گے۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ اس طرح کا اصولاً قومی ملکیت کا نظام دنیا میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکا، حتیٰ کہ برطانیہ جیسے منظم ملک میں وہ موجب نقصان (پیدائش دولت کی کمی) ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس اصول کو اختیار کیا جاتا ہے وہاں آغاز اس کے محدود انطباق سے ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ وسعت اختیار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرائع و وسائل کا باہمی ربط اتنا گہرا ہے کہ ایک شعبے پر کنٹرول کرنے کے لئے دوسرے پر کنٹرول کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام نظام حق کو جاری رکھنے کے لئے آزادی کی فضا چاہتا ہے اور وہ قومی ملکیت کے اصول کے تحت ختم ہو جاتی ہے۔

ان دلائل کے ساتھ ہم اس نتیجے میں پہنچتے ہیں کہ اسلامی نظام میں قومی ملکیت کا اصول داخل نہیں کیا جاسکتا۔ جو اس نتیجے سے اختلاف کرنا چاہے کرے، لیکن ہم اس سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے موقف کے حق میں کوئی منظم استدلال کرے، جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔

(باقی آئندہ)

